Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:3، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

# ترنم ریاض کے افسانوی مجموعے "ابابیلیں لوٹ آئیں گی" کا نفسیاتی مطالعہ

# *Psychological Study of Tarannum Riyaz's Short Story Collection "Ababeelain Laut Aayengi"*

***Dr. Samra Zameer***
*Registrar Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology, Karachi*
*zamirsamra@gmail.com*

***Muhammad Saleem Sarwar***
*Ph.D Research Scholar,Department of Urdu, NUML, Islamabad*
*chandbhatti187@gmail.com*

**ڈاکٹر ثمرہ ضمیر**
رجسٹرار فیڈرل اردو یونیورسٹی آف آرٹس، سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی

**محمد سلیم سرور**
پی ایچ-ڈی ریسرچ اسکالر شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد

## *Abstract*

*Dr. Tarannum Riyaz holds a significant place in contemporary Urdu fiction, particularly through her short story collection Ababeelain Laut Aayengi. This study provides a psychological and socio-literary analysis of her narratives, highlighting women's emotions, inner conflicts, and the socio-cultural constraints they face. Riyaz portrays the lived realities of women navigating emotional vulnerabilities and social injustices, addressing themes such as poverty, patriarchal oppression, and male neglect of familial responsibilities. Her stories also reflect the complexities of urban life, financial insecurities, and shifting gender relations, offering symbolic depth and emotive resonance. By situating her work within broader debates on women in Urdu literature, the study emphasizes Riyaz's contribution to feminist literary criticism and her role in expanding contemporary Urdu narrative. Through a close reading of selected stories, the analysis reveals how Riyaz employs psychological realism to depict the inner turmoil of her female protagonists, who grapple with societal expectations and personal aspirations. Her portrayal of urban women underscores the tension between tradition and modernity, critiquing patriarchal structures while celebrating female resilience. This research draws on feminist theory, psychoanalytic criticism, and socio-cultural perspectives to evaluate Riyaz's innovative narrative techniques, such as stream-of-consciousness and symbolic imagery, which enhance the emotional impact of her work. Ultimately, the study argues that Riyaz's fiction not only documents the struggles of marginalized women but also advocates for social reform, making her a pivotal voice in Urdu literature's feminist discourse. Her stories serve as a mirror to contemporary Pakistani society, fostering empathy and awareness for gender issues.*

***Keywords:*** *Tarannum Riyaz, Ababeelain Laut Aayengi, Women in Urdu Literature, Psychological Criticism, Patriarchy, Poverty.*

**کلیدی الفاظ:** ترنم ریاض، ابابیلیں لوٹ آئیں گی، خواتین کی ادبی کارکردگی، نفسیاتی تنقید، پدرسری نظام، غربت، شہری زندگی، تانیثیت

اردو زبان و ادب کی خدمات میں خواتین کے کردار سے چشم پوشی زیادتی ہوگی جو ان کی سیاسی اور سماجی بصیرت، علمی شغفت اور شعور کی پختگی کا بین ثبوت ہے۔ خواتین افسانہ نگاروں نے عورت کے جذبات، احساسات اور جذبۂ ایثار کو ہمیشہ بڑی چابکدستی اور فن کاری سے پیش کیا ہے۔ ان کا مقصد محض اپنی نمائندگی نہیں بلکہ عصری تقاضوں کے تحت سماج کو سجانے، سنوارنے اور نابرابری کے خاتمے کا جذبہ بھی کارفرماں رہا ہے۔ مختلف ادبی تحریکیں آئیں تو افسانہ ان کے بھی ہم قدم ہو لیا۔ جس میں ترقی پسند تحریک کے ساتھ اس کی دِلی وابستگی رہی اور آج بھی ہے۔ اس نے ادبی حلقوں میں بھی اپنا مقام قائم رکھا اور ان کی گود میں خوب پروان چڑھا۔ ان حلقوں میں حلقہ ارباب ذوق نے افسانے کی پرورش پہ خاص توجہ دی۔

اردو افسانہ دو عالمی جنگوں کا نہ صرف ناظر رہا بلکہ شواہد کو عینی شاہد کے طور پر اپنے اندر محفوظ بھی کرتا رہا۔ افسانے کا کینوس ناول کی طرح وسیع تو نہیں تھا مگر پھر بھی اس نے معاشرے میں نمو پذیر ہر واقعے کو خندہ پیشانی سے جگہ دی اور قاری کو سماجی ہلچل کے ساتھ ساتھ روح کے حظ کا سامان بھی بہم پہنچایا۔ زندہ ادب معاشرے کی زندگیوں سے ہی رس کشید کرتا ہے اس لیے قاری کا دل پسند ادیب بننے کے لیے ضروری ہوتا ہے ادیب معاشرتی اقدار کو نہ صرف اپنے اندر سموئے بلکہ معاشرے اور کرداروں کے باطن میں جھانک کر بھی دیکھے۔ ترنم ریاض نے اپنی ابتدائی دور کی کہانیوں سے لے کر آخر تک قاری کے دل میں اسی لیے گھر کیے رکھا کہ وہ پہلے کرداروں کے باطن میں جھانک کر دیکھتی ہیں پھر اُنھیں اپنی کہانیوں میں جگہ دیتی ہیں۔

کہانی کار نے افسانے کی ابتدا سے لے کر آج تک معاشرے کی دکانوں سے اپنا من پسند مواد اٹھا کر اپنی کہانی کے خمیر میں شامل کیا ہے۔ یہ کبھی بھی ضروری نہیں تھا اور نہ اب ہے کہ سب کہانی کار ایک ہی موضوع کو بحث بنائیں اور ایک ہی طریقے سے کہانی کو لفظوں کی مالا پہنا کر قاری کے سامنے پیش کر دیں بلکہ ہر کہانی کار نے کہانی بُنتے ہوئے، معاشرے سے مٹی، قاری سے پانی، اپنے باطن سے رنگ لے کر کہانی کی مورتی رنگین مورتی اور پھر کرداروں سے روح مستعار لے اس میں پھونک دی۔ اس طرح کہانی تیار کر کے قاری کے سامنے پیش کر دی۔ ترنم ریاض اس معاملے ایک چست اور زیرک کہانی کار کے طور پر سامنے آئی ہیں کیونکہ انہوں نے کہانی کے جسم اور کرداروں کی روح کو متشکل کرنے میں کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر ترنم ریاض کا اصلی نام فریدہ ترنم تھا آپ ۹، اگست ۱۹۶۳ء کو کشمیر کے شہر سری نگر میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم کرانگر سری نگر میں ہی حاصل کی۔ انہوں نے اردو اور ایجوکیشن میں ایم-اے کرنے کے بعد ایجوکیشن میں ہی پی ایچ-ڈی کی سند حاصل کی۔ وہ درس و تدریس، تحقیق اور برقی میڈیا سے وابستہ رہیں۔ "یہ تنگ زمین"(۱۹۹۸)، "ابابیلیں لوٹ آئیں گی"(۲۰۰۰)، "یمبرزل" (۲۰۰۴)، "میرا رخت سفر"(۲۰۰۸)، ناول "مورتی"(۲۰۰۴)، "برف آشنا پرندے"(۲۰۰۹)، "نرگس کے پھول" اور "صحرا ہماری آنکھوں میں شامل ہیں"، جبکہ شعری مجموعوں میں "پرانی کتابوں کی خوشبو"، "بھادوں کے چاند تلے"، "زیر سبزہ محو خواب"(۲۰۱۵) اور "چاند لڑکی" نے ادبی دنیا میں خاصی پذیرائی حاصل کی۔(۱)

اردو ادب میں ترنم ریاض نے ایک افسانہ نگار، ناول نگار، شاعرہ، تبصرہ نگار، محقق و نقاد کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کیا۔ موضوع کی تحدید کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے افسانے کی بات کرتے ہیں جو معیار کے لحاظ سے اس مقام پر فائز ہیں کہ جہاں افسانے کی ہر سطر خود بول کر اپنا تعارف کرواتی ہے اور اپنے دامن میں موجود تمام جواہر و نگار، یاسیت و رجائیت، ہجر و وصال، رنج و الم اور ساکت و متحرک کو لا باہر پھینکتی ہے۔ ترنم ریاض ایک غیر معمولی صلاحیت کی افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں میں معاشرتی شعور کے ساتھ ساتھ نفسیاتی بصیرت اور متصوفانہ رنگ کی جھلک بھی ہے۔ نفسیاتی حوالے سے ہم ان کے افسانوں کا تفصیل سے تجزیہ کریں گے۔ ترنم ریاض کے یہاں متنوع زندگی کا گہرا تجربہ، فطرت انسانی کا شعور

اور اظہار کی بے پناہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ تاریخ، تخیل اور معاصر زندگی سے لپٹی ہوئی پیچیدہ حقیقت موجود ہے اور انہیں بیان کرنے کے لئے نئے نئے فنی وسائل اور تکنیک سے کام لینے میں ان کا ثانی کوئی نہیں ہے۔ ترنم ریاض نے افسانوں کی کہانی کو اپنے معاشرے سے اخذ کرتے ہوئے معاشرتی مسائل کی لڑی میں پرو کر پیش کرنا اپنا وطیرہ کیے رکھا۔ جب تک وہ کردار کی روح سے مکمل طور پر آشنائی پیدا نہیں کر لیتی تھیں تب تک اُن کو کریدنا جاری رکھتی تھیں۔ مواد اور پیش کش میں ایک منفرد جڑت پیدا کرنا ترنم ریاض کے مخصوص اسلوب کا وصف ٹھہرا ہے اس حوالے سے ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> ''ترنم ریاض ان افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں جن کا اظہار اور بیانیہ ان کی اپنی ذات کے ساتھ تہذیب و ثقافت اور اعلیٰ اقدار پر مبنی ہوتا ہے۔ مجھے ترنم ریاض کی کہانیوں میں روایت کے بھرپور شعور کے ساتھ تجربہ کا رنگ بھی شامل نظر آتا ہے۔ وہ صورتِ حال کو کہانی بنانا جانتی ہیں اور اپنے زمانے کے اسلوبیاتی رویوں سے واقفیت کے باعث کسبِ فیض بھی کرتی ہیں۔''(۲)

ان کے افسانوں میں الفاظ کی بندش اور غضب کی چستی پائی جاتی ہے۔ ان کے افسانوں میں معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں، ظلم و جبر اور استحصال کی عکاسی خوب ملتی ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار معاشرے کے وہ افراد ہیں جو ظلم و زیادتی اور ناانصافیوں کے شکار ہیں اور غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں مگر ان کی آہ و فریاد کسی نے نہ سنی۔ ترنم ریاض اپنی کہانیوں کے متعلق لکھتی ہیں:

> ''مجھے احساس ہوا کہ دنیا تضادات کا مجموعہ ہے۔ میری نظر میں یہ تضادات افسانوں کی تخلیق میں ایک بہت بڑا رول ادا کرتے ہیں۔ تضادات قائم رہیں گے اور میرے افسانے بھی میری تخلیقی صلاحیت اور قابلیت کے حساب سے ظہور پذیر ہوں گے۔ اپنے گرد و پیش کی تبدیلیوں کو محسوس کر کے میں بھی کبھی خوش ہوتی ہوں کبھی رنجیدہ۔ میں انسانوں کے بدلتے ہوئے خیالات، کردار، اطوار، طرز زندگی کا بغور مشاہدہ کرتی ہوں۔ انسانی احساسات کو اپنے تخلیقی نہاخانوں میں محفوظ کر کے کہانیوں اور افسانوں کا روپ دیتی ہوں۔ تخلیق کا یہ سفر میرے لیے اذیت ناک بھی ہے اور تسکین آمیز بھی۔''(۳)

ترنم ریاض اکیسویں صدی کی خواتین افسانہ نگاروں میں ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ترنم ریاض کے افسانوں میں عورت کے جذبات و احساسات، ان پر ہوئے مظالم، محرومیاں، آنسوں اور کرب کا ذکر بار بار آتا ہے۔ افسانہ ''ناخدا'' اس کی مثال ہے۔ ان کے موضوعات کا کینوس بڑا وسیع ہے۔ رنگ و نسل، حسب نسب، طاقت، جہالت، سیاست، ملکی و عالمی مسائل، ازدواجی زندگی کے نشیب و فراز ان کے افسانوں کے خاص موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ کشمیری زندگی، وہاں کے عوام کا درد، کرب و مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں خاندانی زندگی کے مختلف Shades کو بڑی کامیابی کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ اس کی مثال ان کے افسانے ''پورٹریٹ''، ''حور'' اور ''گلچیں'' میں بخوبی ملتی ہے۔ افسانہ ''پورٹریٹ'' ایک ایسا افسانہ ہے جس میں ساس بہو کے رشتے دوسرے عزیزوں کے ذریعے متاثر ہوتے ہیں۔ ساس کی حد سے زیادہ سختی کی وجہ سے بہو اور بیٹے کی ازدواجی زندگی خوف ناک حد تک اذیت ناک بن جاتی ہے لیکن بہو سب کچھ برداشت کرتی ہے، صبر و تحمل سے کام لیتی ہے اور گھر کے ماحول کو خراب ہونے نہیں دیتی۔ افسانہ ''حور'' میں ایک کشمیری خاندان کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس خاندان میں شریفہ اور حور دو بہنیں ہیں۔ دوسرا خاندان ایک لکڑی کے کاری گر کا ہے جہاں غریبی اور مفلسی سے حالات بدتر ہیں۔ شریفہ کی شادی اس کے پھوپھی زاد سے ہو جاتی ہے جو کسی طور بھی شریفہ کے متناسب اور موافق نہیں تھا حتیٰ کہ شکل و صورت کے معاملے میں بھی دونوں میں زمین آسمان کا فرق

تھا۔ جب کہ حور کی شادی ایک گونگے شخص سے ہو جاتی ہے جو اس کے والد کی دوکان پر کام کرتا ہے۔ افسانہ نگار نے گھر کے شادی کے ماحول کو کشمیری رسم ورواج کے حوالے سے شادی کو موضوع بنایا ہے۔ شریفہ کے دولہے کے حوالے سے افسانہ "حور" کا ایک اقتباس دیکھیے:

"بے چاری شریفہ کیا عیش کرتی یہ تو میں دولہا دیکھ کر ہی جان گئی تھی۔ پری جیسی دلہن۔ اس کے قرمزی رخساروں پر لگاتار آنسو رواں تھے جیسے کنول کی پتیوں پر جھیل کے پانی کی لہروں میں ٹھہرے ہوئے کچھ قطرے۔ وقفہ وقفہ کے بعد کوئی خاتون آتی اور دلہن کے سامنے رکھی ہوئی کانگڑی میں اسپند کے دانے ڈال جاتی ایسے میں کانگڑی کے ساتھ بندھی "ژالن" سے آگ کو ہلاتی اور دانے آگ سے چھوتے ہی چٹخ چٹخ کر فضا میں خوشبو بکھیر دیتے۔"(۴)

افسانہ "گلچیں" بھی ایک گھریلو سطح کا افسانہ ہے۔ بظاہر یہ دو چھوٹے بچوں کی نفسیات پر مبنی ہے لیکن خاتون خانہ کے صبر و ایثار کو بڑی باریکی سے دکھایا گیا ہے۔ اس کو گھر میں ہر طرح سے ستایا جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے دونوں بچوں کو چھوڑ کر میکے چلی جاتی ہے۔ بڑے بچے کی پرورش توجہ کے ساتھ کی جاتی ہے جب کہ دوسرا بچہ افرادِ خاندان کی شفقت و محبت سے محروم رہتا ہے۔ اس کا خیال گھر میں کوئی نہیں رکھتا:

"۴، ۶ ماہ کا چپ چاپ۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں ہلاتا ہوا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس ہی دودھ کی آدھی خالی بوتل پڑی اس کا گریبان بھگو رہی تھی۔ میں پالنے کے پاس گئی تو وہ مسکرانے لگا۔ میں نے اسے گود میں اٹھالیا۔ وہ میرے شانے سے لگ گیا۔ اس کا لنگوٹ بہت بھیگا ہوا تھا جانے کتنی دفعہ اس نے سردی لگ جانے کی وجہ سے پیشاب کر دیا تھا۔"(۵)

جس کی وجہ سے اس میں ضد و بغاوت کا جذبہ پنپنے لگتا ہے۔ ترنم ریاض نے بڑے فنکارانہ طریقے سے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بچوں کے تئیں ماں باپ اور دیگر افرادِ خاندان کا خراب رویہ ان کی زندگی کو متاثر کرتا ہے اور اس میں نفسیاتی کج روی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے دوسرے افسانوں میں بھی یہی صورتحال دکھائی دیتی ہیں محدود صفحات میں یہاں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ موضوعات ہزار گھریلو انداز کے ہوں، رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ ہو، زن و شوہر کے درمیان کی کشمکش ہو یا پھر کشمیر کا مسئلہ ہو وہ بڑی آسانی سے اسے ایک انسانی مسئلے کی شکل دے دیتی ہیں۔ ترنم ریاض کے افسانوں کی خاصیت یہ ہے کہ ان کے افسانوں کا ابتدائیہ اور خاتمہ چونکا دینے والا ہوتا ہے۔ طارق چھتاری لکھتے ہیں:

"ترنم ریاض کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کے افسانوں کے بیشتر کردار، واقعات اور مناظر سب سے پہلے قاری کے دل پر اثر انداز ہوتے ہیں پھر فہم و دانش سے لبریز ہو جانے والے دل سے پھوٹتی شعاعیں اس کے ذہن کو بھی منور کر دیتی ہیں اور خود کو افسانے کا ایک کردار سمجھ کر افسانہ نگار کے تخلیقی عمل میں شریک ہو جاتا ہے۔ یہ فن کی معراج ہے، اس کی کسوٹی پر ترنم ریاض کے افسانے پورے اترتے ہیں۔"(۶)

ایریک فرام کے نزدیک معاشی حالات انسان کی شخصیت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، اور غربت انسان کے رویوں اور تعلقات پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ ترنم ریاض کے افسانے اسی نظریے کی عملی صورت ہیں، جہاں غربت ایک محض معاشی مسئلہ نہیں بلکہ نفسیاتی جبر کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ان افسانوں میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح معاشی محرومیاں سماج کے غریب لوگوں کے احساسِ خودی کو مجروح کرتی ہیں اور اس کے وجود کو عدم تحفظ کا شکار بناتی ہیں۔ ترنم کے یہاں ماحول اور حالات کا عکس صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے انداز میں بڑی بے باک بھی ہیں اور یہی بے باکی ان کا سب سے بڑا ہنر بھی ہے۔ افسانہ "مٹی" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ایک وردی پوش جب ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں جانے والا تھا تو اس کی پتلون کی پچھلی جیب میں سے سونے کی ایک زنجیر جھانک رہی تھی۔ وہ جلدی میں شاید اسے اچھی طرح ٹھونس نہ پایا تھا۔ "میری ۔۔۔ میری۔۔۔ بچی کی

ہے۔۔۔اس کی شادی کے لیے۔"ہلال احمد کا ہمسایہ غلام حسن زور سے بولا اور بھاگ کر وردی پوش کے پاس پہنچ گیا۔لڑکی باپ کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی گئی اور کچھ دوری پر رک گئی۔"خاموش بڈھے۔۔۔دیش دروہی" طاقت نے بوڑھی کمزور ٹانگو ں پر تندرست لات ماری۔بوڑھالڑکھڑایا،گرا اور اس کا پاؤں پکڑ لیا۔"خدا کے لیے ۔۔۔میری۔۔۔"چھوڑ حرام خور۔۔مفت کا کھا کھا کر طاقت آگئی ہے۔"(۷)

افسانہ "مٹی" کا ذکر کرتے ہوئے ترنم ایک جگہ لکھتی ہے:

"افسانہ "مٹی" نے بھی از حد رنجیدہ کیا تھا مجھے۔اس افسانے کو تحریر کرنے سے پہلے میں کچھ دیر کے لیے اس ماحول میں رکی۔وہاں کی گھٹن، درد، کرب اور ہر شے پر محیط مایوسی میرے اندر جذب ہو گئی تھی تب "مٹی" کا ظہور ہوا۔"(۸)

ان باتوں میں کتنی صداقت ہے اس کا اندازہ افسانہ پڑھ کر ہی ہوتا ہے۔اگرچہ یہ افسانہ ایک مخصوص ماحول اور مسائل کی پیداوار ہے لیکن ترنم کی تخلیقی بصیرت نے اس افسانے کو علاقائیت سے اوپر اٹھا کر ایک آفاقی عظمت عطا کی ہے۔نام نہاد دہشت گردی کے نام پر آج دنیا کے مختلف علاقوں میں جنگیں لڑی جارہی ہیں۔ان جنگوں میں ایک عام انسان بنا کسی قصور کے پسا جارہا ہے اور عام انسان پر ان جنگوں کا کیا اثر ہو رہا ہے وہ ہم دیکھ بھی رہے ہیں اور محسوس بھی کر رہے ہیں۔"مٹی" افسانے میں افسانہ نگار نے جنگ سے متاثرہ ایک مظلوم انسان کے مظلومیت اور مسائل کو جس فنکاری سے پیش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ہلال احمد کی گرفتاری اور کشن لال سے ہلال احمد کی گفتگو کو افسانہ نگار نے بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ہلال احمد کے بعد اس کی ماں کی کیسی حالت ہوتی ہے،اس منظر کو آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

"ہلال احمد کی ماں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سڑک پر نکل آتی ہے۔جینس ٹی شرٹ پہنے کسی لڑکے کو بغور دیکھتی ہے۔۔۔۔پھر۔۔۔ہلال احمد کے متعلق پوچھتی ہے۔پھر مایوس ہو کر رو پڑتی ہے۔کسی اور طرف چل دیتی ہے۔اپنی طرح کی کئی عورتوں سے پہچان ہو گئی ہے۔کسی کا لڑکا غائب ہے۔کسی کا شوہر۔۔۔کسی کا بچہ دل کا مریض ہو گیا ہے۔کسی کی بیٹی گونگی ہو گئی ہے۔ہلال احمد بھی غائب ہے۔پتہ نہیں اس کی ماں اسے کب دیکھے گی۔دیکھے گی۔دیکھے گی بھیا۔۔۔"(۹)

اس اافسانے کے کردار بہت جاندار ہیں اور کرداروں کی نفسیات اور جذبات کی عکاسی میں افسانہ نگار نے بڑی ہنر مندی کا ثبوت دیا ہے۔واقعی یہ افسانہ اردو کے اچھے افسانوں کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔"اچھی صورت بھی کیا" میں ترنم ریاض نے موجودہ دور کے ایک اہم مسئلے کو سامنے لایا ہے۔شہروں میں بڑھتی بھکاریوں کی تعداد اور اس کے تحت معصوم بچوں کے استحصال نے اب ہمارے سماج میں ایک ناسور کی شکل اختیار کی ہے۔افسانے میں ایک معصوم بچے راہل کی کہانی پیش کی گئی ہے۔راہل کا اغوا بھیک مانگنے کے لیے کیا جاتا ہے۔افسانہ پڑھ کر ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح حالات اور ماحول معصوم بچوں کو چوری اور دوسرے جرائم کی دنیا میں ڈھکیل دیتے ہیں۔راہل کا باپ ایک شرابی ہوتا ہے جسے اپنے اولاد کی کوئی فکر نہیں۔وہیں دوسرا بھیک مانگنے والا بچہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔پولیس جب ان بچوں کو سرغنہ کے ساتھ پکڑتی ہے تو خوف کے مارے ان بچوں کے منہ سے یہ جملے نکلتے ہیں:

"تیرے بچے جئیں صاحب۔۔۔ایک روپیہ دے دو۔۔۔میری ماں کو بچہ ہونے والا ہے۔۔۔درد سے تڑپ رہی ہے۔"اس نے اداس صورت بنا کر التجا میں سر ہلایا تو ثنا کو ہنسی آگئی۔اس سے پہلے جب وہ گاڑی کی کھڑکی پر بھیک مانگنے آیا تھا جب بھی ثنا کو اپنی ہنسی ضبط کرنا پڑی تھی کہ اس نے ثنا اور اس کے چودہ سالہ بھانجے کو برابری کی نشستوں پہ بیٹھا دیکھ کر دعا دی تھی۔تمھاری جوڑی بنی رہے بی بی جی۔۔۔میری ماں کو۔۔۔"(۱۰)

ان جملوں سے یہ بات اچھی طرح مترشح ہوتی ہے کہ کس طرح یہ معصوم بچے خوف کے اندر پلتے اور جیتے ہیں۔ خوف کے مارے یہ بچے سچ بھی نہیں بول سکتے۔ بلکہ ان کا کام صرف چپ چاپ بھیک مانگنا ہوتا ہے۔ اور آج بھی ان بچوں سے ہماری ملاقات آئے دن ہوتی رہتی ہے۔

افسانہ ''برف گرنے والی ہے'' مفلسی اور غربت سے تنگ آئے ہوئے ایک گھر کی کہانی ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک کم سن لڑکا 'جاوید' ایک فیکٹری میں کام کرتا ہے اور اس کام سے اس کے گھر کا گذارہ بڑھی مشکل سے ہوتا ہے۔ یہ گھر دن بہ دن غریبی میں ڈھوبتا ہی چلا جاتا ہے۔ بالآخر اس غریبی سے تنگ آکر 'جاوید' غلط راستے پر چلنے کے لئے مجبور ہوتا ہے کیوں کہ اس سے اپنے والدین اور چھوٹی بہن کا دکھ نہیں دیکھا جاتا:

> ''بہت پہلے میرے پاس ایک کام کی دعوت ہے۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ مگر بابا اب کروں گا۔ بس ذرا احتیاط کا کام ہے اور پیسہ ہی پیسہ۔'' جاوید کے والدین اسے روکنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو جاتے ہیں کیوں کہ جاوید کا ذہن جلدی جلدی پیسہ کمانے کا بن گیا ہے۔ اور وہ اس کے لیے کوئی بھی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ جاوید کی ماں ہر ماں کی طرح اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی ہے اور وہ اپنے آرام کی خاطر اپنے بیٹے کو کسی غلط کام پر نہیں ڈالنا چاہتی: ''نہ میرے لعل۔ ہمارے پیٹ کے لیے اپنی زندگی مت بیچنا۔ بھوکی جی لوں گی۔ تمہیں کھو کر زندہ نہ رہ پاؤں گی۔ میرے بچے۔''(۱۱)

افسانہ ''برآمدہ'' موجودہ سوسائٹی کے ایک اہم مسئلے پر مبنی ہے۔ افسانے کی ہیروئن شہلا کا شوہر سہیل دوسری عورتوں میں زیادہ دلچسپی دکھاتا ہے۔ شہلا کے لیے شوہر کا یہ برتاؤ اذیت سے کم نہیں۔ وہ اسے روکنے کی بہت کوشش کرتی ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتی۔ شہلا کو اس ماحول سے گھٹن سی ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری چیز بھی ہے اس عورت کے لیے جس کا مرد دوسری عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے ہے:

> ''کچھ دن اور بیت گئے شک اور یقین کی جنگ میں، میں پریشان سی رہا کرتی کہ ایک دن ہماری رہائش گاہ کی مغرب کی جانب والے گھر کی ننھی سی بٹیا مجھ سے گلہ کرنے لگی کہ میں کل سہیل کے ساتھ گاڑی میں کہیں جا رہی تھی اور اس کی مسکراہٹ کا میں نے جواب نہ دیا بلکہ اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔ میں تو تھی نہیں گاڑی میں۔ گھر سے نکلے دنوں ہو گئے۔ اب سہیل کو مسئلہ حل ہوتا دکھائی نہ دیا تو۔۔۔ قسموں کا دور شروع ہو گیا اور میں قسموں کو سچا جان کر کچھ وقت بغیر روئے گزارنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ سمجھنے میں مجھے خاصا وقت لگا کہ سہیل اس مہارت سے جھوٹ بولتے تھے کہ دوسرے جھوٹ تک ان پر شک کرنے کا کوئی جواز نظر نہ آتا تھا۔''(۱۲)

شہلا اپنے شوہر کی ان حرکتوں سے بہت تنگ آتی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ خود بھی اپنے شوہر جیسی حرکتوں پر اتر آئے، وہ اپنے آپ کو یہ سوچ کر روک لیتی ہے:

> ''اگر تمھیں کھڑکی کھولنی ہے تو آکر مجھے یہاں سے ہٹالو۔'' میں نے جنید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر کہا۔۔۔ اس نے سلگتی ہوئی سگریٹ، ایش ٹرے کے کونے پر ٹکا دی جب وہ آنکھوں میں شرارتیں لیے کرسی سے اٹھنے لگا تو پل بھر کو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ اٹھی۔ مگر اگلا لمحہ ضائع کیے بغیر میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی۔ جلدی سے زینہ طے کر کے اپنی خوابگاہ کی پناگاہوں میں پہنچتے ہوئے میں یہ سوچ رہی تھی کہ آرزو کو تو کوئی نہ کوئی جواب مل ہی جائے گا۔۔۔۔ اور خود مجھ کو۔۔۔؟''(۱۳)

ظاہر ہے کہ افسانے میں ہمارے معاشرے کے ایک اہم مسئلے کو اجاگر کیا گیا ہے جس نے اب ایک ناسور کی شکل اختیار کی ہے۔ اس مسئلے نے ایک ایسی شکل اختیار کی ہے کہ اسے اب LESBIANISM کی طرح صرف قانونی حیثیت ملنے کی دیر ہے۔ دوسری طرف اس طرح کے مردوں کی بیویاں بھی پھر اسی چیز کی شکار ہوتی ہیں اور ایک اچھے گھر کو بکھرتے دیر نہیں لگتی۔ آج یہی خرابیاں سماج میں انتشار پھیلانے میں آگے

ہیں۔ افسانے کا فن بنیادی طور پر کہانی کہنے کا فن ہے۔ اور یہ کہانی ماحول اور اور اس کے کرداروں سے مرتب ہوتی ہے۔ یہ بات ترنم ریاض پر صد فیصد صادق آتی ہے۔ ان کی کہانیوں میں ماحول اور کرداروں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ وہاب اشرفی ترنم ریاض کی تخلیقی انفرادیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ترنم ریاض ایک فعال افسانہ نگار اور شاعرہ کی حیثیت سے احترام کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔ انہوں نے عورتوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ اُن رخوں پر بھی توجہ کرنے کی کوشش کی ہے جن سے ہم کسی نہ کسی طور پر متاثر ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آج کے منظرنامے پر محیط ان کے افسانے اپنی تمام تر تلخیوں کے ساتھ زندگی، کی شادمانیوں کے اطراف بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کا رویہ MORBID نہیں ہے۔ ایسے میں ان افسانوں کے کلچرل پہلوؤں کے ساتھ ساتھ زندگی جینے کے مثبت پہلو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔''(۱۴)

ترنم ریاض نے شہری زندگی کے مسائل پر بھی افسانے لکھے ہیں جس کی نمائندہ مثال افسانہ ''شہر'' ہے۔ امان کو شہر آنے کی بڑی آرزو ہوتی ہے اور ایک دن اس کی یہ آرزو پوری بھی ہوتی ہے۔ شہر میں آکر امان اور اس کی بیوی بابرا ایک فلیٹ میں رہنے لگتے ہیں۔ امان دو دن کے لیے کسی کام کی غرض سے باہر جاتا ہے۔ امان کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کی موت ہوتی ہے۔ امان کی بیوی کب مر گئی یہ صرف اس کے بچے جانتے ہیں کیوں کہ دو دن سے اس کے فلیٹ میں کوئی نہیں آیا تھا:

> ''ممی ۔۔ ممی جی۔۔ کوئی دروازے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔'' اس نے اونچی آواز میں پکارا تو ثوبیہ نے ابروؤں کے رخ پر خمیدہ پلکوں والی مُنی مُنی آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آنکھیں جھپک جھپک کر ادھر ادھر دیکھا اور بھائی کو ممی پکارتے سن کر خود بھی ممی ممی پکارنا شروع کر دیا۔ مگر ممی بول ہی نہیں رہی تھیں۔ ممی کے دہانے کے چاروں طرف سفید سی چیز جمی ہوئی تھی۔ ہاتھ پاؤں بھی کچھ عجیب طرح سے پھیلے ہوئے تھے۔''(۱۵)

موصوفہ نے یہاں شہری زندگی کی بے حسی دکھائی ہے۔ ایک لاش دو دن کمرے میں پڑی رہتی ہے اور اس کے ہمسایوں کو پتا بھی نہیں۔ اس طرح یہ افسانہ شہری زندگی پر، جس میں جذبات کی اب کوئی قدر نہیں رہ گئی ہے اور ہر طرف مادیت ہے، ایک بھرپور چوٹ ہے۔ ترنم نے اپنی بیشتر کہانیوں کی بنیاد روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات پر رکھی ہے۔ گھریلو مسائل اور عورت مرد کے رشتے پر انہوں نے بڑے اچھے اور کامیاب افسانے لکھے ہیں۔ بعض کہانیوں میں انہوں نے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے نفسیاتی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ افسانے ''آدھے چاند کا عکس'' اور ''گنبج'' اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ترنم ریاض نے اپنی کہانیوں میں بعض ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو کڑی بہادری کے متقاضی ہیں اور مصنفہ نے اُن مسائل کو بیان کرتے ہوئے زبان میں لکنت اور قلم میں جنبش پیدا نہیں ہونے دی۔ معاصر افسانہ نگاروں میں ترنم ریاض کو جن بنیادوں پر ممتاز حیثیت حاصل ہے ان میں سے ایک بڑی خوب ان کی کہانی اپنے سماج سے پیوست اور عوام کی زبان لیے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر ترنم ریاض کا افسانوی مجموعہ ابابیلیں لوٹ آئیں گی معاصر اردو افسانے میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے، خصوصاً خواتین کے نفسیاتی اور سماجی تجربات کی عکاسی کے حوالے سے۔ ان کے افسانے ذاتی مشاہدات اور تجربات کو اجتماعی حقیقتوں کے ساتھ ملا کر ایک گہرا بیانیہ تخلیق کرتے ہیں، جو کارل یونگ کے ''اجتماعی لاشعور'' کے تصور سے مطابقت رکھتا ہے۔ کہانیوں میں خواتین کے جذبات، دبے ہوئے احساسات، اور پدرسری دباؤ کے تحت پیدا ہونے والے نفسیاتی تضادات کو نہایت باریکی سے بیان کیا گیا ہے، جو سگمنڈ فرائیڈ کے لاشعوری جبلتوں اور دبائے ہوئے احساسات کے نظریے سے بھی ہم آہنگ ہیں۔

غربت اور معاشی محرومی افسانوں کا ایک مستقل موضوع ہیں، جسے ایریک فرام کے اس تصور سے جوڑا جا سکتا ہے کہ انسانی شخصیت اور رویے پر معاشی حالات گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ ریاض کے افسانوں میں مالی مشکلات نہ صرف عورت کی نفسیاتی کیفیت کو متاثر کرتی ہیں بلکہ اس کے خاندانی تعلقات اور احساسِ خودی پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ مرد کی بے اعتنائی، شادی شدہ زندگی میں جذباتی خلا، اور دوسری عورتوں میں دلچسپی لینا، جیک لاکان کے "رشتوں میں لاکانی خلا" کے نظریے کی عملی تصویر پیش کرتا ہے، جو عورت کے وجود پر گہرے نفسیاتی اثرات مرتب کرتا ہے۔

شہری زندگی کے مسائل، تنہائی، اور خاندانی عدم توازن ان افسانوں میں وجودی کشمکش کی علامت ہیں، جسے ژاں پال سارتر کی وجودیت کے نظریات سے ہم آہنگ دیکھا جا سکتا ہے۔ ترنم ریاض کا اسلوب سادہ مگر مؤثر ہے؛ وہ داخلی خود کلامی، علامات، اور استعارات کے ذریعے قاری کے شعور اور ہمدردی کو متحرک کرتی ہیں۔ مجموعی طور پر، ابابیلیں لوٹ آئیں گی نہ صرف خواتین کے نفسیاتی اور سماجی تجربات کو منظر عام پر لاتا ہے بلکہ اردو افسانوی روایت میں ایک تحقیقی و فکری اضافہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## حوالہ جات

۱۔ ترنم ریاض، (مرتب) بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء ص سرورق
۲۔ ترنم ریاض، ابابیلیں لوٹ آئیں گی، نرالی پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص سرورق
۳۔ ایضاً ص ۱۰
۴۔ ترنم ریاض، یہ تنگ زمین، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۰۔۶۱
۵۔ ایضا! ص ۳۳
۶۔ طارق چھتاری، شعر و حکمت، دسمبر ۲۰۰۶، ص ۳۵۶
۷۔ ترنم ریاض، مٹی (افسانہ)، مشمولہ ابابیلیں لوٹ آئیں گی، نرالی پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص ۷۷
۸۔ ترنم ریاض، (مرتب) بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء ص ۲۷
۹۔ ترنم ریاض، مٹی (افسانہ)، مشمولہ ابابیلیں لوٹ آئیں گی، نرالی پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص ۷۹
۱۰۔ ترنم ریاض، اچھی صورت بھی کیا (افسانہ)، مشمولہ ابابیلیں لوٹ آئیں گی، نرالی پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص ص ۵۲
۱۱۔ ترنم ریاض، برف گرنے والی ہے (افسانہ)، مشمولہ ابابیلیں لوٹ آئیں گی، نرالی پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص ۱۸۳
۱۲۔ ترنم ریاض، برآمدہ (افسانہ)، مشمولہ ابابیلیں لوٹ آئیں گی، نرالی پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص ۱۵۷
۱۳۔ ایضاً ص ۱۶۳
۱۴۔ وہاب اشرفی، اردو فکشن اور تیسری آنکھ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۴۰
۱۵۔ ترنم ریاض، شہر (افسانہ)، مشمولہ یمبرزل، نرالی دنیا پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء ص ۱۴۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## *Roman Havalajat*

1.Tarnum Riaz, (Murattab) Bisowein Sadi Mein Khawateen ka Urdu Adab, Sahitya Akademi, Nai Dilli, 2004, p.sarwarq
2. Tarnum Riaz, Ababeelen Loot Aayengi, Narali Publications, Nai Dilli, 2000, p.sarwarq
3 .Ibid, p. 10
4. Tarnum Riaz, Ye Tang Zameen, Modern Publishing House, Nai Dilli, 1998, pp. 60–61
5 .Ibid, p. 33
6 .Tariq Chhatari, She’r o Hikmat, December 2006, p. 356

7. Tarnum Riaz, Mitti (Afsana), Mashmoola Ababeelen Loot Aayengi, Narali Publications, Nai Dilli, 2000, p. 77
8.Tarnum Riaz, (Murattab) Bisowein Sadi Mein Khawateen ka Urdu Adab, Sahitya Akademi, Nai Dilli, 2004, p. 27
9. Tarnum Riaz, Mitti (Afsana), Mashmoola Ababeelen Loot Aayengi, Narali Publications, Nai Dilli, 2000, p. 79
10. Tarnum Riaz, Achhi Surat Bhi Kya (Afsana), Mashmoola Ababeelen Loot Aayengi, Narali Publications, Nai Dilli, 2000, p. 52
11 .Tarnum Riaz, Barf Girne Wali Hai (Afsana), Mashmoola Ababeelen Loot Aayengi, Narali Publications, Nai Dilli, 2000, p. 183
12 .Tarnum Riaz, Baramada (Afsana), Mashmoola Ababeelen Loot Aayengi, Narali Publications, Nai Dilli, 2000, p. 157
13. Ibid, p. 163
14 .Wahab Ashrafi, Urdu Fiction aur Teesri Aankh, Educational Publishing House, Delhi, 2005, p. 40
15. Tarnum Riaz, Sheher (Afsana), Mashmoola Yamberzal, Narali Duniya Publications, Nai Dilli, 2004, p. 142